

اسحاق نور فقط ایک ستارہ شناس نہیں ہے

تجسس انسانی زندگی کی بنیاد ہے۔ اسی جذبہ سے سائنس، تحقیق اور دلیل نے جنم لیا۔ مگر تجسس کی تعریف بہت مشکل ہے۔ کئی بار آسان مگر متعدد بار انہائی مشکل بلکہ ناممکن ہی۔ ہر بشر، پرندہ اور جانور اس کیفیت سے کہیں نہ کہیں دوچار ضرور ہوتا ہے۔ معلوم ہو جاتا ہے کہ اسکا ذہن کسی کھونج میں ہے مگر اکثر پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ چاہتا کیا ہے۔ اسی موڑ سے معلوم سے نامعلوم کا سفر شروع ہوتا ہے۔ ایسا سفر جو بذاتِ خود ایک قافلہ بھی ہے اور شاہد منزل بھی۔ ہر سوچنے والا ذہن شعور ذہن وہ سب کچھ جاننا چاہتا ہے جو اسے پتہ نہیں ہے۔ مستقبل اور آنے والے وقت میں جھانکنا چاہتا ہے۔ اسکا جواب مختلف انداز سے دیا جاتا ہے۔ لیکن ایک عجیب ساجواب جس پر میں نے کبھی سوچا نہیں، تحقیق نہیں کی، ستاروں کا علم ہے۔ کیا الفاظ استعمال کروں، نجوم یا ستارہ شناسی۔ بہر حال یہ علم موجود ضرور ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کتنا درست ہے یا کتنا درست نہیں۔ پر اسے مکمل طور پر درکرنا کافی مشکل ہے۔

بات نجوم یا آنے والے وقت میں جھانکنے کی ہو رہی تھی۔ سائنس کا طالب علم ہونے کی وجہ سے میرا اس پر کسی قسم کا کوئی یقین نہیں تھا۔ شاہد مکمل طور پر اب بھی نہیں ہے۔ مگر چند لوگوں سے ملنکریہ ضرور اندازہ ہوا ہے کہ بہر حال یا اپنی طرح کا ایک مکمل سمندر ہے۔ چند دن پہلے ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ گجرات کا رہنے والا یہ بوڑھا شخص کسی بھی طرح متاثر کن شخصیت کا مالک نہیں تھا۔ آج کے زمانے میں بہت کم لوگ گرتے کے ساتھ پاجامہ پہنتے ہیں۔ اسحاق نور نے سفید گرتا اور ڈھیلا سا پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ سیدھے سادھے لباس پر ایک پرانا ساویسٹ کوٹ اور ہاتھ میں سامان کا ایک تھیلا۔ تین چار گھنٹے طویل ملاقات میں عام سے نظر آنے والے شخص نے انہیٰ غیر معمولی باتیں کیں۔ حیران کر دینے والے راز بیان کیے۔ اسحاق نور سے میری ملاقات کیوں ممکن ہوئی۔ اسکی مکمل وجہ مجھے معلوم نہیں ہے۔ سوچنے کے بعد ایسے لگتا ہے کہ ملاقات بہر حال طے تھی اور ضرور ہونی تھی۔ ذہن کے ایک کونے میں یہ حیرت انگیز جملہ درج ہے کہ یہ ملاقات ہر صورت میں ظہور پذیر ہونی تھی۔ کالے اور سفید بالوں والے اس شخص میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں کہ اسے متاثر کن کہا جاسکے۔ مگر نہست مجموعی طور پر حیران کن تھی۔ میں نے تو اسحاق نور کا نام تک نہیں سنایا تھا۔ کچھ اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس انسان کو اپنے اکتسابی علم پر اس درجہ گرفت ہوگی۔

بات کافی پینے سے شروع ہوئی۔ پوچھنے لگا کہ کوئی کافی پیتے ہو۔ میری پسندیدہ کافی Davidos ہے۔ بتانے پر اسحاق نور کہنے لگا کہ پسی ہوئی کافی اچھی نہیں ہوتی۔ جو لوگ اسے پسند کرتے ہیں، انہیں کافی کے متعلق پوری معلومات نہیں۔ بہترین کافی تو بیجوں (Beans) کی صورت میں ہوتی ہے۔ اسے خود پیسنا چاہیے، تب ہی صحیح ذاتِ القہ پتہ چلتا ہے۔ ذہن میں آیا کہ یہ شخص ویسے ہی باتیں کر رہا ہے۔ اسحاق نور نے تھیلا اٹھایا۔ اس میں سے کافی کے بیجوں کا ایک بڑا سا پیکٹ نکال کر سامنے رکھ دیا۔ بتانے لگا کہ روز صحیح اٹھ کر کافی پیتا ہے۔ بینز کو کافی میں تبدیل کرنے کی چھوٹی سی دلیسی مشین گھر میں رکھی ہوئی ہے۔ حیران سارہ گیا۔ مگر اسکی باتیں بالکل درست تھیں۔ کافی کا اصل مزہ اسکے بیجوں کو پیس کر رہی حاصل ہوتا ہے۔ پر یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ اسحاق نور ان میں سے ایک ہے۔ باقاعدہ

باتوں میں یہ بھی اندازہ ہوا کہ مالی فائدہ کے عصر سے بہت اوپر نکل چکا ہے۔ پسیے کا حصول اسکے لیے بے معنی نہیں بلکہ لایعنی ہے۔ میرے ذہن میں تھا کہ اس شعبے کے لوگ تو باتیں کرنے کے بھی پسیے لیتے ہوں گے۔ پھر نور نے آہستہ کھلنا شروع کر دیا۔ میری ضروریات بہت کم ہیں یا بہت، ہی کم کر لی ہیں۔ ایک بیٹی کی شادی کر دی ہے۔ گجرات کی ایک بستی میں سادہ سا گھر، نہ کسی سے ملنا اور نہ کسی کے پاس شوق سے جانا۔ جواب میرے لیے کافی جیران کن تھا۔ کیونکہ ستارہ شناس لوگ تو ہر وقت امیر گا گھوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ مگر اس میں کچھ بھی ایسا نہیں تھا۔ متمول لوگوں سے دور بھاگنے والا شخص کتنا آسودہ حال ہو گا، اسکا اندازہ جنوبی لگایا جا سکتا ہے۔ اسحاق کی آنکھوں میں پسیے کا لامبج بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ جو لوگ اسکے پاس حساب کتاب لگوانے آتے بھی ہیں۔ ان میں سے اکثریت کو ناراض کر کے واپس بھج دیتا ہے۔ اگر معمولی سے پسیے مل جائیں، تو خاموشی سے گھر بیٹھ کر کتاب میں پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ انتہائی دقیق موضوعات پر مستند کتب۔ پوچھنے لگا کہ ول ڈیورانٹ (Will Durant) کو پڑھا ہے۔ اثبات پر کہنے لگا کہ اس نے ڈیورانٹ کی شہر آفاق کتاب "Story of Civilization" بڑے طمینان سے پڑھی ہے۔ میں جیران ہو گیا۔ کیونکہ اس کتاب کی گیارہ جلدیں ہیں۔ اس عظیم فلسفی نے انہیں لکھتے ہوئے بیس برس کے لگ بھگ صرف کیے تھے۔ ہر خاص و عام ان مشکل کتابوں کے نزدیک تک نہیں جاتا۔ دور دور سے سلام کر کے جان چھڑا لیتا ہے۔ طالب علم کی دانست میں ان گیارہ جلدیوں کو پڑھنے اور سمجھنے کیلئے کم از کم دوسال چاہیے۔ مگر ان پڑھ نظر آنے والے شخص نے وہ تپیا کی ہوئی تھی۔ جس بین الاقوامی فلسفی کا نام لیا، اسحاق نور اسے پڑھ چکا تھا۔ پوری دسترس تھی۔ میں آہستہ آہستہ ڈھنی طور پر پکھلنا شروع ہو گیا۔

اسحاق نور نے کلاسیکل موسیقی پر بات شروع کی تو میں ششد رہ گیا۔ بیگم اختر فیض آبادی، کے ایل سہگل اور روشن آرہ بیگم پر مکمل اعتناد سے بات کر رہا تھا۔ کون سی غزل یا گیت، کس راگ میں بنایا گیا، اسے بھر پور طریقے سے معلوم تھا۔ بڑے غلام علی خان کا ذکر ہوا تو اس نے میری تصحیح کی۔ مشہور ترین ٹھمری، "باغوں میں پڑے جھولے" دراصل استاد برکت علی خان نے گائی تھی۔ میں ہمیشہ سمجھتا ہا کہ بڑے غلام علی خان کا کمال فن تھا۔ تھوڑے عرصے میں اسحاق نور نے "تقسیم برصغیر" سے پہلے کے ایسے ایسے گویوں کے نام لینے شروع کر دیے جو میرے لیے بالکل اجنبی تھے۔ بہت ہی کم موسیقی کے دلدادہ لوگوں کو اندازہ ہے کہ سوچ گھنڈھارہ اور گمار گندھار دابے مثال کلاسیکل گائک تھے۔ نور کو ان کا سارا کام از بر تھا۔ پہلا شخص تھا جس نے برصغیر کے جنوبی حصہ کی موسیقی سن رکھی تھی۔ علاقائی موسیقی پر بھی اسے مکمل منعقد کی گئی تھی۔ اسحاق نور مخصوصیت سے اپنے اس دور کا ذکر کر رہا تھا جو شاہ مکمل طور پر تحسس اور مفلوک الحالی کا تھا۔ میرے خیال میں اسکے حالات تو پہلے جیسے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ پراب "سفید پوش" کا لفظ استعمال کرنا زیادہ مناسب ہے۔ آہستہ آہستہ اس طرف آگیا جس علم پر اسے مکمل دسترس ہے۔ یعنی ستارہ شناسی۔ بڑی خاموشی سے باتانے لگا کہ اکثر کراچی چلا جاتا ہے۔ کسی شہر میں بھی یکسوئی سے نہیں رہتا۔ مگر ہر شہر میں رہتا ہے۔ سفر در سفر یا شاہ مکمل گردش۔ فلکیات کا تمام علم اکتسابی ہے۔ بات بھی درست ہے کہ کوئی شخص بھی

پیدا ہوتے وقت اس مشکل علم کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ اب جہان حیرت کھلنے لگا۔ جس قومی سیاست دان یا اہم آدمی کا نام لیا۔ تو کسی نہ کسی طریقے سے اسحاق نور سے ذائقہ بنوا چکا تھا۔ پرویز مشرف سے پہلی ملاقات ہوئی تو کورکماڈ رمنگلا تھا۔ نور نے بات کرنے بعد بتایا کہ اس ملک کا صدر بنے گا۔ پرویز مشرف گھبرا گیا۔ کیونکہ یہ 1999 سے قدرے پہلے کی بات تھی۔ اس وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آرمی چیف بنے گا اور اسکے بعد مارشل لاءِ گادے گا۔ اسحاق نور نے اسے بہت پہلے یہ سب کچھ بتا دیا تھا۔ اس طرح زرداری سے ہسپتال میں پندرہ برس پہلے ملاقات ہوئی تھی۔ ہسپتال کو جیل کا درجہ دیا گیا تھا۔ نور نے زرداری کو تفصیل سے بتا دیا تھا کہ تم اس ملک کے صدر بنو گے۔ زرداری کو بالکل یقین نہیں آیا۔ اس وقت قید میں تھا۔ دور دور تک یہ بھی آثار نہیں تھے کہ مستقبل قریب میں جیل سے باہر آپا رہیں گا۔ صدر بننے کا تو خیر تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ زرداری اس درجہ حیرت ذدہ تھا کہ بالکل خاموش ہو گیا۔ یہ پیش ن گوئی کسی بھی دنیاوی کسوٹی پر صائب نہیں ہو سکتی تھی۔ پر وقت نے ثابت کر دیا کہ اسحاق ٹھیک کہہ رہا تھا۔ بالکل اسی طرح اس نے 1987 میں ایک مضمون میں لکھ کر بتایا تھا کہ بینظیر 1988 میں ملک کی وزیراعظم ہو گی۔ یاد رہے کہ اس وقت جزل ضیاء الحق کی حکومت تھی اور بینظیر کے حکومت میں آنے کے کوئی آثار نہیں تھے۔

ستارہ شناسی کی باریکیوں کا کوئی علم نہیں۔ اس جانب کبھی دھیان یا وجد ان گیا ہی نہیں۔ یہ کسی بھی ماہر فلکیات سے میری پہلی تفصیلی ملاقات تھی۔ اس سے پہلے یہی سمجھتا تھا کہ یہ سب کچھ قیافہ ہے، وہم ہے، ٹگے ہیں۔ مگر اسحاق نور سے ملنے کے بعد لگ رہا ہے کہ یہ ایک بھرپور علم ہے۔ اگر مجھے اسکی جزئیات کا علم نہیں، تو صرف اس وجہ سے فلکیات کے علم کو ردنہیں کر سکتا۔ انکار کرنا نا انصافی ہو گی۔ طالب علم کی دانست میں اسحاق نور صرف ایک پیش ن گوئی کرنے والا شخص نہیں ہے۔ ایک بھرپور عالم بھی ہے اور کچھ کچھ درویش بھی! وہ صرف اور صرف ایک ستارہ شناس نہیں ہے!

راو منظر حیات